ڈاکٹر ظہور الدین احمد

شاہ ابوالمعالی کی علمی خدمات

حضرت شاہ ابوالمعالی جن کے حالاتِ زندگی مارچ کے ثقافت میں پیش کیے جا چکے ہیں اپنے دور کے ایک نامور مصنف اور شاعر بھی تھے ۔ مندرجہ ذیل تصانیف سے ان کی علمی خدمات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے :

تحفۃ القادریہ :

شاہ ابوالمعالی کی مشہور تصنیف ہے جس میں انھوں نے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے سوانح زندگی مرتب کیے ہیں ۔ اس کتاب کے قلمی نسخے اکثر کتب خانوں میں موجود ہیں ۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا نسخہ ۱۱۵ اوراق پر مشتمل ہے ۔ ہر صفحہ پر ۱۵ سطریں اور ہر سطر میں ۱۵ الفاظ ہیں ۔ یہ کتاب شائع نہیں ہوئی ، البتہ اس کا اردو ترجمہ ملک چنن دین تاجر کتب کشمیری بازار لاہور نے شائع کیا ہے جو بڑی تقطیع کے ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے ۔

کتاب اکیس ابواب پر مشتمل ہے جن میں سے سات ابواب میں حضرت شیخ کی زندگی کے واقعات پر روشنی پڑتی ہے ۔ ان کا نسب نامہ بیان کیا ہے ۔ ولادت ، تعلیم ، سیاحت ، ریاضت ، عبادت ، حلیہ ، لباس ، اولاد و احفاد اور وفات کے متعلق تفاصیل مہیا کی ہیں ۔ چند ابواب میں ان کے اخلاق و صفات ، مجد و کرم اور دیگر مشائخ و اولیا پر ان کی فضیلت کا ذکر موجود ہے ۔ باقی ابواب میں ان کے روحانی کمالات ، کشف و کرامات اور جنوں ، انسانوں اور حیوانوں پر اُن کے تصرفات کے متعلق واقعات بیان کیے ہیں ۔

مصنف نے اس کتاب کے مرتب کرنے میں بہجۃ الاسرار ، خلاصۃ المفاخر اور تفاح الاخلاص سے استفادہ کیا ہے ، اور اپنے پیر و مرشد کے بیٹوں ، پوتوں اور بعض معاصرین کے اقوال بھی نقل کیے ہیں ۔

مصنف کو اپنے شیخ سے والہانہ عقیدت ہے ۔ ان کی تعریف و ستائش میں ان کے قلم سے ایسی باتیں نکل گئی ہیں جو غلو و اغراق کی حدوں کو چھوتی ہیں ، اور بعض جملوں سے شرک کے ساتھ ملوث ہونے کی بُو آتی ہے مثلاً :

غیر تو کس را نزیبد قادری[1]   پادشاہی جہاں را قادری

۱؎ تحفۃ القادریہ ، مخطوطہ پنجاب یونی ورسٹی لائبریری ، برگ ۳۴ ب ۱

کیست کو قادر بود ہر ہر جہت جز شہ کونین سلطان محی الدین[1]

خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین کہا ہے۔ مصنف اپنے شیخ کو بھی اسی لقب سے منسوب کرتے ہیں:۔

شاہِ گیلانی تراحق در وجود رحمۃ للعالمین آوردہ است

قرآنی تعلیم یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہے اس کا اجر وہ پائے گا اور جس نے ذرہ بھر بدی کی ہے اس کی سزا وہ پائے گا۔ دربارِ خداوندی میں انبیا و اصفیا تک اپنے اعمال کے لیے جواب دہ ہوں گے۔ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا محض کسی بزرگ شخصیت سے نسبت کی وجہ سے وہ پرسشِ اعمال سے نہیں بچ سکے گا۔ اس کتاب میں مصنف نے حضرت شیخ سے بعض ایسے احوال منسوب کیے ہیں جو اس تعلیم کے منافی ہیں۔ مثلاً خود مصنف لکھتے ہیں:

ہر کہ شد آن تو مقبول خدا است گرچہ ہر نا کردنی را کردہ است[2]

اور پھر اپنے ممدوح کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ مثلاً

"جو مسلمان میرے مدرسے کے پاس سے گزر جائے گا۔ قیامت کا عذاب اس سے تخفیف کیا جائے گا۔"[3]

"میرے ہاتھ میں ایک کاغذ دیا گیا جس کا طول اس قدر تھا جہاں تک نگاہ کام کر سکتی تھی۔ اس پر اپنے دوستوں اور مریدوں کے نام جو قیامت تک میرے ساتھ اپنی نسبت کو درست رکھیں گے، لکھے ہوئے تھے اور حکم ہوا کہ تیری طفیل میں نے ان سب کو بخشا۔"[4]

مصنف نے حضرت شیخ کا ایک قول یوں نقل کیا ہے:

"اگر تو سختی میں عاجز ہو جائے تو مجھے پکارنا تاکہ وہ مصیبت تجھ سے دور ہو جائے۔ جو شخص مجھے سختی میں یاد کرے میں اس کی بلا کو دور کرتا ہوں، اور جو کسی حاجت کے لیے خدا کے حضور میں مجھے وسیلہ بنائے تو میں اس کی حاجت روا کرتا ہوں۔"

اس قسم کا دعویٰ تو صریحاً من دون اللہ پر بھروسہ کرنے کے مصداق ہے اور لاتدعوا مع اللہ الٰہاً آخر

---

[1] ایضاً برگ ۳۶، [2] ایضاً برگ ۲۴، [3] ایضاً برگ ۲۵ ب، ۲۶

[4] ترجمہ تحفۃ القادریہ، لاہور، ص ۳۷

کی صریح خلاف ورزی ہے۔ میرا خیال ہے کہ خدا کا ایک مقبول شخص اس قسم کی بات کہہ کر اپنے آپ کو خدا کے مقابل کھڑا نہیں کر سکتا۔ اور میرے اس بیان کی تصدیق خود اس کتاب کی ایک عبارت سے ہو رہی ہے۔ مصنف نے اپنے پیر و مرشد کے وصیت نامہ سے چند اقوال بھی درج کیے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے :

"وکلِ الحوائجَ الی اللہ کلھا واطلب منہ"۔ یعنی اپنی حاجات کے لیے اللہ کی طرف رجوع کرو، اور اسی سے مانگو"۔ جو شخص دوسروں کو اس قسم کی وصیت کرے وہ خود دوسروں کی حاجت روائی کا کیسے ذمہ دار ہو سکتا ہے۔

مصنف نے شیخ عبد القادر جیلانی کے اخلاق و اوصاف کے متعلق لکھا ہے :

"حضرت شیخ سریع الدمع و کریم الاخلاق ... ابعد الناس واقرب الحق بود و غضب بر کسی نے کردی، بجہتِ نفس خود"۔ [1]

اور دوسری جگہ ایسے بیان کیے ہیں اور ایسے اقوال درج کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سخت غضب ناک ہوتے تھے اور بے شعور حیوانات بھی ان کے شعلۂ غضب سے نہیں بچ سکتے تھے مثلاً وہ لکھتے ہیں :

"ایک چڑیا نے اڑتے اڑتے آنجناب پہ بیٹ ڈال دی۔ حضرت نے جب غضب کی نگاہ سے اس کی طرف دیکھا تو وہ فوراً زمین پر گر پڑی اور مر گئی"۔ [2]

"ایک مرتبہ آنحضرت بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے، چھت سے مٹی گری۔ اس کو جھاڑ دیا تین دفعہ ایسا ہی ہوا، چوتھی دفعہ چھت کی طرف دیکھا تو ایک چوہا کھیلتا ہوا نظر آیا۔ فرمایا: طار راسک یعنی تیرا سر تن سے جدا ہو جائے۔ فوراً اس کا سر تن سے جدا ہو گیا"۔ [3]

"آنحضرت کے غضب سے بغداد کے اطراف میں آگ بھڑک اٹھی۔ اگر ایک محلہ سے بجھتی تو دوسرے میں جا بھڑکتی"۔ [4]

ان کی طرف مندرجہ ذیل اقوال بھی منسوب ہیں جن سے ان کی شعلہ سامانی ظاہر ہے۔ مثلاً :

"میں خدا تعالیٰ کی بھڑکتی آگ ہوں۔ میں احوال کو سلب کرنے والا ہوں"۔ [5]

---

[1] تحفۃ القادریہ، مخطوط، برگ ۱۸، [2] ایضاً برگ ۱۹، [3] ایضاً برگ ۱۹

[4] ترجمہ تحفۃ القادریہ، لاہور، ص ۷۷۔ [5] ایضاً ص ۵۰

"میں سیاف اور قتال ہوں، تم میرے نزدیک بمنزلہ شیشوں کے ہو۔" [۵۱]

مصنف نے اپنے پیر کی مدح سرائی میں بڑے مبالغہ سے کام لیا ہے اور ان کا رتبہ تمام اولیاء و انبیاء سے افضل بتایا ہے۔ اور پھر ان کی بلند پایہ صفات خود ہی بیان نہیں کیں، بلکہ ان کی زبان سے ایسے اقوال نقل کیے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی عظمت خود بیان کر رہے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں:

"کوئی پیغمبر یا ولی ایسا نہیں جو میری مجلس میں حاضر نہ ہوتا ہو۔" [۵۲]

"تمام اولیاء اللہ کی گردن پر میرا قدم ہے۔" [۵۳]

پھر خود لکھتے ہیں کہ: "آنحضرتؐ کے اذن کے بغیر کوئی ولی ظاہر و باطن میں تصرف نہیں کر سکتا۔" [۵۴]

کتاب میں جا بجا حضرت شیخ کی کرامات کا ذکر موجود ہے۔ کرامات چیزیں ہی ایسی ہیں جن کو عقل اور عام انسانی قوت انجام نہ دے سکے لیکن بعض ایسی ناممکن الوقوع باتیں ہوتی ہیں کہ خدا کے سوا ان کو کوئی انجام نہیں دے سکتا۔

ایک جگہ لکھا ہے۔ ایک مرید کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی۔ وہ اس کو اٹھا کر پیر جہانگیر کے پاس لے آیا کہ میری التماس فرزند نرینہ کے لیے تھی۔ فرمایا۔ اس کو کپڑے میں لپیٹ کر گھر لے جا۔ پھر دیکھ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اس نے گھر آکر دیکھا تو لڑکی کے بجائے لڑکا پایا۔ مصنف اس پر اپنے خیال کا اظہار کرکے فرماتے ہیں: ع

اللہ اللہ رحیہ قادر پرست بر بیں [۵۵]

دو موقعوں پر ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو عملی طور پر ناممکن الوقوع ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت کا ایک خادم رات کو ستر بار محتلم ہوا۔ اور ہر مرتبہ نئی عورت سے محتلم ہوا [۵۶]

ایک موقع پر آنحضرت نے خود بیان کیا ہے:-

"ایک رات مجھے چالیس دفعہ احتلام ہوا اور ہر بار میں نے غسل کیا۔"

ایک طبیب یا ماہر نفسیات اس پر رائے زنی کر سکتے ہیں کہ کیا عملی طور پر اس قسم کی چیز ممکن ہے۔

---

۵۱ ترجمہ تحفۃ القادریہ، لاہور، ص ۵۲ ، ۵۲ ایضاً ص ۵۳ ، ۵۳ ایضاً ص ۱ ، ۵۴ ص ۶۵۔

۵۵ تحفۃ القادریہ مخطوطہ، برگ ۲۶ ، ۵۶ ایضاً، ص ۴۵

رسالہ شوقیہ

شاہ ابوالمعالی تمہید میں اس رسالہ کی وجہ تالیف یوں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عرس خواجگانِ چشت کے موقع پر طالبانِ حق کی محفل آراستہ تھی اور حاضرین ذوق و شوق سے آہ و نالہ میں اس قدر منہمک تھے کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔ ایک بے دانش نے اعتراض کیا کہ حالتِ قرب و وصال میں گریہ و زاری کیسی فریاد و فغاں تو بعد و جدائی کے موقع پر ہوتی ہے۔ اس نافہم کو سمجھانے کے لیے ہمیں یہ چند سطور لکھنی پڑیں۔

اس تمہید کے بعد مصنف نے بتایا ہے کہ گریہ پانچ قسموں پر مشتمل ہو سکتا ہے یعنی پانچ قسم کے اشخاص پر گریہ وارد ہو سکتا ہے۔ اوّل وہ شخص جو رند و صالح ہو۔ سماع کے موقع پر جزا و سزا، اور عذاب و عقاب کا تصوّر کر کے روتا ہے۔ اسے مجاز و حقیقت کی کوئی خبر نہیں۔ خدا نے اسے رقیق القلب بنایا ہے۔ دوسرا مبتدی صوفی ہے جو فراق محبوب میں آہ و نالہ کرتا ہے۔ وہ اس شور و اضطراب کی حقیقت سے آگاہ نہیں، وہ دستِ مرتعش کی طرح بے اختیار ہوتا ہے، یہ صوفی اسرارِ الٰہی سے بے خبر ہے تیسرا شخص صوفی سالک ہے جو چشم باطن سے جمالِ محبوب دیکھ کر وجد و کیفیت میں آ کر آہ و نالہ کرتا ہے۔ چوتھا وہ شخص صوفی سالک ہے جس کے دل میں جمال و جلال الٰہی کی تجلیات نازل ہوتی ہیں۔ وہ اس ڈر سے کہ کہیں محو و نابود نہ ہو جائے گریہ و نالہ کرتا ہے۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ ہوش میں رہے۔ اور جمالِ محبوب کا مطالعہ کر کے لذت اندوز ہو سکے۔ پانچواں صوفی سالک اہل حقیقت ہے، ایسی محویت و استغراق کی حالت طاری ہوتی ہے اور وہ محو ذات مطلق ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں دل و جان کی اسے کچھ خبر نہیں ہوتی اور وہ لذتِ گریہ کو بیان نہیں کر سکتا۔ لیکن عاشق کو ہمیشہ یہ حالت میسر نہیں رہتی۔ محبوب ہر دم نئی شان میں آتا ہے۔ عاشق کو اپنے محبوب کے ساتھ مستقل اتحاد و یگانگی حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے وہ کمالِ حضوری کی حسرت میں بے اختیار روتا ہے اور آہ و نالہ کرتا ہے۔ آدم کی آدمیت وصال خداوندی کی راہ میں حائل ہے۔ بندہ بندہ ہے خدا خدا ہے۔ رسولِ خدا کو قاب قوسین او ادنیٰ کا قرب حاصل ہوا پھر بھی حقیقت محمدیہ حقیقت احدیت سے ہم کنار نہ ہو سکی۔ وہ عبدہٗ رسولہٗ رہے اور ذاتِ خداوندی کے ساتھ مدغم نہ ہو سکے۔

مندرجہ بالا پانچ قسم کے اشخاص بیان کرنے کے بعد مصنف تبصرہ فرماتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ

دردِ فراق کی جو لذت ہے وہ بیان نہیں کی جا سکتی ۔

"ہرچند فراق بسیار عشق بسیار، ہرچند عشق بسیار، عاشق بے قرار۔ ہرچند عاشق بے قرار معشوق درکنار۔ وہرچند معشوق درکنار، عاشق دل افگار۔ ہرچند عاشق دل افگار، عشق آبدار۔"

آخر میں معترض کے جواب میں مصنف فرماتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ دردِ فراق میں ہی گریہ ہو، وصال بھی گریہ ہو سکتا ہے ۔ چنانچہ آدم فراقِ حوا میں روتے رہے ۔ اور جب توبہ قبول ہوئی تو بعد از وصال بھی روتے رہے، جو شخص اس کا قائل نہیں وہ کم عقل اور بے خبر ہے، اور اس نے بحرِ عشق میں کبھی غوطہ نہیں کھایا۔

مصنف نے اپنے بیان کی تقویت اور زورِ استدلال کے لیے حافظ، رومی اور دیگر صوفیہ کے اشعار نقل کیے ہیں۔ موقع و محل کے مطابق استعمال کی وجہ سے بیان میں لذت آگئی ہے ۔ فارسی اشعار کے ساتھ ہندی دوہے بھی لکھے ہیں جس سے ہندو فلسفہ میں بھی روحانیت و عشق کے ان میلانات کی تصدیق ہوتی ہے۔ ایک جگہ حسان بن ثابت کے اشعار بھی نقل کیے ہیں ۔

رسالہ کا طرزِ بیان جوش و اخلاص سے بھرپور ہے ۔ رنگ واعظانہ ہے اور تخاطب کا اسلوب لیے ہوئے ہے ۔ ابوالمعالی لذتِ عشق سے آشنا ہونے کے باوجود اپنے عجز و انکسار کا اعتراف کرتے ہیں کہ وہ گریہ کے جواز میں تفصیل سے بیان نہیں کر سکے ۔ رسالہ کی عبارت رواں ہے اور کیف و آگہی کا سماں لیے ہوئے ہے

تذکرہ نگاروں نے شاہ ابوالمعالی کی اس تصنیف کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ اس کا ایک مخطوطہ پنجاب لائبریری، مجموعہ شیرانی میں اور ایک قلمی نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے ۔ (فہرست مخطوطات فارسی، شمارہ ۱۹۲۴)

ہشت محفل

یہ رسالہ شاہ ابوالمعالی کی زندگی کے کسی رمضان میں آٹھ دنوں کی روئداد ہے جو اُن کے بیٹے سید محمد باقر نے مرتب کی ہے ۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، مجموعہ شیرانی کے مخطوطات میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے اس کے پہلے ایک دو ورق کم ہیں ۔ اس لیے یہ تعین نہیں ہو سکا کہ اس میں کس سال کے رمضان کی آٹھ محفلوں کا ذکر ہے ۔ مذکورہ نسخہ ۱۰۸۸ھ کا لکھا ہوا ہے اور کافی کرم خوردہ ہے ۔ خطِ رواں تعلیق ہے ۔ بعض جگہ کتابت کی غلطیاں بھی ہیں، کل بائیس اوراق ہیں ۔ ہر صفحہ میں ۱۷ سطریں اور ہر سطر میں آٹھ نو لفظ

اس کتابچہ کی یادداشتوں کو ملفوظاتِ ابوالمعالی کا نام بھی دیا جا سکتا ہے ۔ ان کے مرتب ان کے

فرزند محمد باقر شاہ صاحب کو بہت عزیز تھے۔ چنانچہ انہی ملفوظات میں ان کے بارے میں یہ شعر بھی لکھا ہے:

بود معمور فیض لایزالی محمد باقر بن ابو المعالی

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے وہ لکھتے ہیں:

"سید محمد باقر فرزند مقبولِ ایشاں است و رعایتے خاص بروے دارند"[1]

طرزِ نگارش سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان میں استعداد و صلاحیت تھی، تبھی تو وہ ان کی محفلوں میں شریک رہتے تھے اور اپنے والد محترم کے ارشادات سے فیضیاب ہوتے تھے۔

ان ملفوظات سے شاہ ابو المعالی کے علم و فضل، ذوقِ شعر اور کمالاتِ معنوی پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ اکثر مصاحبین اور شرکائے محفل کے سامنے اپنے مرشد حضرت غوث الثقلین عبدالقادر جیلانی کی تعلیمات کا ذکر کرتے ہیں اور انہی کے فرمودات پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے ہیں۔ کتاب کے شروع میں ان کے یہ اقوال نقل کیے گئے ہیں:

"قرآن بخوان، امر و نہی نگاہدار و بہ درویش و مسافری کہ برسد سفرۂ طعام ہرچہ باشد، پیش آر و در غیب و حضور راست باش۔ و از نفاق حذر کن و دائم وضو لازم گیر و آنکہ مامن است او را با وقار و حرمت دار و با قضا و قدر راضی شو"

حضرت غوث اعظمؒ نے اپنی وفات کے قریب اپنے فرزند ارجمند سید عبدالوہاب کو جو نصیحت کی ہے وہ توحید و توکل اور استعانت باللہ کے بلند مقام کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ مرتب نے عربی کی عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

"علیك بتقوی اللّٰہ ولا تخف احداً ولا ترج احداً سوی اللّٰہ وکل الحوائج الی اللّٰہ ولا تعتمد الا علیہ واطلبھا جمیعاً منہ ولا تثق باحد غیر اللّٰہ التوحید التوحید اجماع الکل!"

"پرہیزگاری کن خدا را و از ہیچ کس بیم نداری جز خدا و امید نداری ہیچ یکے را جز خدا، و بسیاری ہمہ کار خود را بخدا و تکیہ کنی مگر بر لطف خدا و بخواہ ہمہ حاجات را از خدا و استوار مدار ہیچ یکے را جز خدا و لازم گیر توحید را کہ اتفاق ہمہ است"

[1] کتاب المکاتیب والرسائل، دہلی، ص ۳۰۵

لیکن اس تعلیم کے برعکس محفل ششم کے آغاز میں یہ عبارت موجود ہے ۔ مؤلف لکھتے ہیں : میں نے حضرت والد صاحب سے پوچھا کہ توسل بحضرت غوث الثقلین در حاجات چگونہ باید کرد۔ انھوں نے فرمایا کہ دو رکعتیں پڑھے پھر سورۂ فاتحہ، سورۂ اخلاص، سورۂ کافرون اور درود پڑھے، اس کے بعد قطب کی طرف توجہ کرکے گیارہ قدم چلے اور ہر قدم پر "با حضور تمام بگوید یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ ! و حاجت عرض دارد" اس کے بعد ایک ہزار ایک مرتبہ اسم اعظم پڑھنے کے لیے ہدایت کی۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک حاجت روائی کے لیے اپنے پیر کو پکارنا جائز ہے لیکن یہ تو اُن کے مرشد کی متذکرہ صدر تعلیم کے متضاد و منافی ہے ۔ کیونکہ وہاں انھوں نے تاکیداً فرمایا ہے کہ اپنی حاجات کے لیے کسی پر بھروسہ کرنا خلافِ توحید ہے ۔

لوگ اولیاء اللہ کے مقابر پر جاکر قبروں کو بوسہ دیتے ہیں۔ ان کے ساتھ سہارا لگا کر بیٹھتے ہیں۔ ان کے لیے حضرت غوث اعظم کی ایک نصیحت سننے اور عمل کرنے کے لائق ہے، وہ فرماتے ہیں :

"زیارتِ قبور کنید۔ بوسہ نہ دہید و تکیہ بر قبر نہ کنید کہ ایں عادتِ یہود است۔"

مؤلف کا بیان ہے کہ شاہ صاحب اپنے نورِ باطن سے حاضر و مخاطب کے دل کی بات معلوم کر لیتے تھے اور بنائے بغیر اس کے متعلق اشارہ کرنے اور اس کا جواب دیتے تھے ۔ وہ مستجاب الدعوات بھی تھے۔ کتاب میں مذکورہ واقعات سے ظاہر ہے کہ جب انھوں نے کسی کے حق میں دعا کی تو وہ مقبول ہوئی۔ ان کی پیشین گوئیاں بھی سچی ثابت ہوتی تھیں ۔

ان ملفوظات کا علمی پہلو بھی اہم ہے ۔ انھوں نے معرفت و حقیقت کے بعض نکات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ایک جگہ سلسلۂ قادریہ میں مرید کرنے کے آداب بیان کیے ہیں اور ساتھ ہی مرید بنانے کے سلسلے میں مرشد پہ جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے ان کو بھی بیان کیا ہے ۔

بعض اولیاء اللہ کے متعلق کتابوں میں مذکور ہے کہ انھیں ہمہ جائی اور ہمہ گیری کا ایسا مقام ملتا ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں کئی جگہ موجود نظر آتے ہیں۔ مولانا روم اور سید علی ہمدانی کے متعلق تذکروں میں یہ ثبوت ملتا ہے کہ وہ جس جس مکان میں گئے وہاں ایک ایک غزل لکھ کر چھوڑ آئے، جس سے ظاہر ہوا کہ وہ ایک ہی رات میں ایک ہی وقت میں کئی محفلوں میں شریک رہے ۔ اس کتاب کی محفل ہشتم میں عبداللہ تستری کے متعلق بھی ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے اور شاہ ابوالمعالی کے متعلق بھی اسی قسم کا واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے آکر حیرت کا اظہار کیا کہ حضرت ایشاں تو رات کو ان کے ساتھ دریا کی سیر

کر رہے تھے، دوسرے نے کہا وہ تورات بھر حسین کے گھر میں موجود تھے۔ جب شاہ صاحب سے اس حقیقت کا راز دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا:

"از قدرتِ حق از ینہا چہ عجب۔ آفتاب یکیست، ہمہ کس ہمہ جا داند کہ برماست۔ اگر خدائے عزوجل یک بندہ را ہمچنیں نماید، ہیچ عجیب و غریب نیست۔"

شاہ ابوالمعالی کا ذوق شعر خوب تھا۔ وہ گفتگو کے دوران میں موقع و محل کے مطابق اچھے اچھے اشعار پڑھتے تھے۔

گلدستہ باغِ ارم

یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جو لطائف و ظرائف اور نکات و حکم پر مشتمل ہے۔ مؤلف نے چند لفظوں کی تمہید میں بتایا ہے کہ روحانی قبض کی حالت میں لطائف اکثر بسط انگیز ہوا کرتے ہیں۔ اس لیے دوستوں کے التماس پر ان کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ یہ گلدستہ چار طرازوں پر مشتمل ہے:

طرازِ اول : در بیان اخبار خواجہ کائنات

طرازِ دوم : در لطائف اولیاء

طرازِ سوم : در اقوال حکماء بزبان بیزبانان

طرازِ چہارم : در نصائح

طرازِ اول میں دو احادیث نقل کی ہیں۔ پہلی یہ: "جس نے گلاب کا پھول سونگھ کر مجھ پر درود نہ بھیجا اس نے مجھ پر ظلم کیا"۔ اس حدیث کی ثقاہت پر شک کرنے والوں کے لیے مزید ایک قولِ رسول نقل کیا ہے کہ گلاب کا پھول آنحضرت کے پسینہ سے پیدا ہوا ہے۔ دوسری حدیث یہ ہے کہ زمین خربوزے کی طرح آپ کے قدموں کے نیچے سے گذاری گئی، اس لیے ہندوستان میں بزرگ اولیاء اور حکمت کے خزانے پیدا ہوتے ہیں اور اودھ میں حضرت شیثؑ اور حضرت ایوبؑ انبیاء کی قبریں ہیں۔ یہ دونوں احادیث شک و گمان سے پاک نہیں، پہلی میں ظلم کا لفظ، اور دوسری میں فوق الفطرت واقعہ کا ذکر اس کے موضوع ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس طراز کی تیسری روایت میں وہ سات فارسی الفاظ نقل کیے ہیں جو رسولِ اکرم صلعم نے مختلف موقعوں پر اپنی زندگی میں استعمال کیے اور لکھا ہے کہ یہ ملفوظاتِ جلالی سے منقول ہیں۔ یہ روایت ہماری نظر سے گذری ہے۔ اور وہ سراج الہدایہ یعنی مجموعہ

ملفوظات مخدوم جلال الدین جہانگشت، مرتبہ احمد برنی، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے ورق ۷۰ اور ۷۱ پر موجود ہے۔

طرازِ دوم میں وہ لطائف مندرج ہیں جو مولانا عبدالرحمٰن جامی اور دوسرے اشخاص سے منسوب ہیں۔ ان میں سے اکثر و بیشتر لطائف الطوائف مؤلفہ علی بن حسین واعظ کاشفی سے منقول ہیں لیکن مؤلف نے اپنے مآخذ کا ذکر نہیں کیا۔

طرازِ سوم میں باز، کچھوا اور لومڑی کے متعلق پانچ چھوٹی چھوٹی حکایات بیان کر کے حکمت کی باتیں مندرج کی گئی ہیں:

طرازِ چہارم میں آٹھ نو اشعار لکھے ہیں جن سے پند و موعظت مقصود ہے۔ ان میں سے دو رباعیاں یہ ہیں:

بیش طلبی ز ہیچکس بیش مباش ۔۔۔ چوں مرہم موم باش و چوں نیش مباش
خواہی کہ از ہیچکس بتو بد نہ رسد ۔۔۔ بدگوی و بد آموز و بداندیش مباش

جہد کن تا شاخ و بیخ دشمنی! ۔۔۔ اندرون باغ جانت بر کنی!
لیک باشی محو دلبر آنچنان! ۔۔۔ یاد ناید دوستی و دشمنی!

گلدستہ ۹۹۰ھ میں تمام ہوا۔ مؤلف نے خود لکھا ہے:

المنۃ للہ کہ شد از لطف لطیف ۔۔۔ در نہصد و تسعین بشب عید تمام

زعفران زار

شاہ ابو المعالی نے دیباچہ میں اس رسالہ کی وجہ تالیف بیان کی ہے کہ میری خواہش تھی کہ میں رسول خدا صلعم کے لطائف و ظرائف جمع کر کے ایک رسالہ تالیف کروں تاکہ پراگندہ خاطر اشخاص کے لیے دلجمعی کا باعث ہو۔ اس کی تائید میں ایک حدیث بھی نقل ہے۔ من سر مؤمنا فقد سر اللہ۔ یعنی جس نے مومن کو خوش کیا، اس نے خدا کو خوش کیا۔ وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کیونکہ یہ کتاب غم دور کرنے اور فرحت بخشنے میں زعفران کی خاصیت رکھتی ہے اس لیے ع

زعفران زار ساختم نامش۔ کتاب کو اپنے پیرزادہ کے نام منسوب کیا ہے۔

اس کتاب کے چار چمن ہیں :

۱- چمن اول - نبی اکرم کے اپنے مطائبات

۲- چمن دوم - صحابہ کے وہ لطائف جو رسولِ خدا کے روبرو ہوئے۔

۳- چمن سوم - وہ لطائف جو اصحاب و احباب کے درمیان واقع ہوئے۔

۴- چمن چہارم - برمحل اشعار

ہر لطیفہ، واقعہ یا حکایت کو رائحہ کہا ہے۔ چمن اول میں ۲۰، چمن دوم میں ۱۰، چمن سوم میں ۵، اور چمن چہارم میں ۸ روائح۔ ان تینتالیس روائح میں سے دس پندرہ ایسے نکلیں گے جو مؤلف کے اپنے بیان کے مطابق نشاط بخش اور روح پرور ہوں گے۔ رسولِ خدا کے لطائف میں مزاح و لطافت موجود ہے ان کے تین چار لطائف تو مشہور و معروف ہیں۔ مثلاً،

۱- کیا تیرا وہ شوہر نہیں جس کی آنکھ میں سفیدی ہے۔

۲- بوڑھی عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی۔

۳- تجھے اونٹنی کا بچہ کیوں نہ دوں۔

صحابہ کے لطائف میں سے دو تین خوب ہیں۔ مثلاً

۱- یا علی انت فینا کالنون فی لنا

۲- صہیب کی آنکھ میں درد تھا۔ وہ کھجوریں کھا رہا تھا۔ پیغمبرؐ نے فرمایا۔ آشوب چشم کے لیے کھجوریں کھانا مضر ہے۔ صہیب نے کہا۔ میری آنکھ میں درد ہے میں دوسری آنکھ کے لیے کھجوریں کھا رہا ہوں۔

چمن چہارم میں تین چار فارسی اشعار ہیں اور تین جگہ عربی اشعار ہیں۔ دو حضرت عائشہ کی زبانی رسولِ خدا کی تعریف میں ہیں اور ایک جگہ سوسمار کی زبانی قصیدہ کے چند اشعار ہیں۔ مصنف نے دو جگہ عربی اشعار کا آزاد ترجمہ کیا ہے، اور نہایت موزوں ہے۔ ایک مثال یہ ہے:

فلو سمعوا فی مصر اوصاف خدہ	نمیکردند ہرگز بیل یوسف
لما بذلوا فی الیوم یوسف من نقدی	اگر در مصر وصفا وشنیدند
لو فی زلیخا لو رائن حبیبی	جبیم گر زنان مصر دیدند
لرائرن بالقطع القلوب علی ایدی	بجائے دست دلہا می بریدند

بعض روائح میں صرف واقعات یا روایات کا ذکر ہے۔ ان میں لطیفہ، بذلہ یا مزاح و ظرافت کی بات نہیں۔ مثلاً چمن دوم رائحہ ۹ میں ذکر ہے کہ زخم کی وجہ سے قتادہ بن نعمان کی آنکھ حلقے سے باہر نکل آئی۔ رسولِ اکرمؐ نے آنکھ حلقے میں رکھ دی اور لعاب دہن لگایا اور وہ صحیح و سالم ہو گئی۔

چمن اول رائحہ ۵ میں ذکر ہے کہ یہودی نعمان شراب خوری کی حالت میں آتا تو آنحضرتؐ ہنسی ہنسی میں اسے نعلین سے پیٹتے۔

دس بارہ لطیفوں کا محور حضرت عائشہ کی شخصیت ہے بعض لطائف ان کی اپنی زبانی ہیں بعض ان کی زندگی اور سیرت سے متعلق دوسروں کی زبانی ہیں۔ ایک لطیفہ تو معروف گڑیوں کا قصہ ہے آنحضرتؐ نے حضرت عائشہ کی گڑیوں میں دو پروں والے گھوڑے دیکھے۔ رسولؐ خدا نے پوچھا کہ آیا گھوڑوں کے بھی پر ہوتے ہیں تو عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ ہاں حضرت سلیمانؑ کے گھوڑوں کے پر ہوتے تھے۔ یہ قصہ اسی روایت پر مبنی ہے کہ حضرت عائشہؓ کی شادی ۹ برس کی عمر میں ہوئی اور وہ نبی اکرمؐ کے گھر میں بھی گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں۔ یہ بات اب پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ شادی کے وقت حضرت عائشہ کی عمر سترہ اور انیس کے درمیان تھی اور وہ بالغہ عاقلہ تھیں۔

دوسرے روائح میں بھی لطیفہ کی تو کوئی بات نظر نہیں آتی، البتہ عائشہ صدیقہؓ کی سیرت مسخ کرنے کے لیے چند واقعات بیان کیے گئے ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ رسولِ خدا کے منہ کو آتی تھیں۔ ان کے سامنے اونچا بولتی تھیں۔ دوسری ازواج مطہرات سے رقابت کرتی تھیں، اور اپنی گستاخی کی وجہ سے اپنے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ سے طمانچے بھی کھاتی تھیں۔ مثالیں ملاحظہ کیجیے:-

چمن اول، رائحہ ۹۔ عائشہ صدیقہ رضؓ جناب پیغمبرؐ سے ناراض ہو جاتیں تو محمدؐ کے پروردگار کی قسم کے بجائے ابراہیمؑ کے پروردگار کی قسم کھاتیں۔

رائحہ ۱۰۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ آنحضرتؐ کے سامنے بلند آواز سے بات کر رہی تھیں کہ حضرت صدیق نے مارنے کو طمانچہ اٹھایا۔

رائحہ ۱۱۔ رسولؐ خدا، اور عائشہ صدیقہؓ کے درمیان کوئی بات ہوئی۔ صدیقہؓ نے کہا۔ کوئی منصف ٹھہرا لیجیے۔ آنحضرتؐ نے ابو عبیدہ کا نام لیا۔ صدیقہؓ نے کہا۔ وہ لعنتی مرد ہے۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کا نام لیا۔ صدیقہ نے کہا۔ وہ سخت طبیعت ہے۔ آخر ابو بکر رضؓ کو منصف بنانے پر رضامند ہو گئیں۔ جب

ابوبکرؓ کے سامنے معاملہ پیش کیا گیا، تو صدیقہؓ نے آنحضرتؐ سے مخاطب ہو کر کہا - یا رسولؐ اللہ! عدل بجا لانا اور راستی کو مت چھوڑنا - ابوبکر صدیقؓ نے صدیقہؓ کو ایسا طمانچہ مارا کہ ان کی ناک سے خون نکل آیا۔
رائحہ ۱۳ - آنحضرتؐ نے صدیقہؓ کو ایک عورت دیکھنے کے لیے بھیجا جس سے آپؐ نکاح کرنا چاہتے تھے -

چمن دوم - رائحہ ۲، ۳، ۴ میں حضرت خدیجہؓ کے ساتھ جذبۂ رقابت کے واقعات بیان کیے گئے ہیں - ایک میں لکھا ہے کہ عائشہؓ نے کہا - آپ کب تک اس بڑھیا کھوسٹ کو یاد کریں گے - خدا نے آپ کو نعم البدل دیا ہے - آپ شکر کیوں نہیں بجا لاتے -

رائحہ ۱۰ - میں حضرت عمرؓ اپنی بیٹی حضرت حفصہؓ، رسولؐ خدا کی زوجۂ محترمہ کو سمجھا رہے ہیں - "تو پیغمبرؐ کی بات کو لوٹاتی ہے - ان کو ناراض کرتی ہے جیسے عائشہؓ آنحضرتؐ کی محبت کا غرور کرتی ہے - تو نہ کیا کر"

ایک دو اور بھی ایسی مثالیں ہیں جن سے ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کے حرم مقدس میں اس قسم کی رقابتیں تھیں اور آپس میں نوک جھونک ہوا کرتی تھی -

میرا خیال ہے اس قسم کی روایات اس کتاب کا جزو نہیں، بلکہ جعلی اور وضعی ہیں اور کسی دشمن نے داخل کی ہوئی ہیں - اور خاص طور پر ام المومنین حضرت عائشہؓ کی سیرت کو داغدار پیش کرنے کے لیے داخل کی ہیں -

مونسِ جاں

ابو المعالی کا یہ رسالہ مونسِ جاں کہلانے کا مستحق ہے - اس کی حکایات راحت دل کا باعث ہو سکتی ہیں - مؤلف نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اس میں لطائف و ظرائف بھی ہیں جو خوش طبع جوانوں اور لطیف نازنینوں کے لیے نشاط انگیز ہوں گے، لیکن مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں گلدستہ باغ ارم اور زعفران زار کی طرح لطائف و ظرائف نہیں، البتہ اس کی بعض حکایات حکمت آموز اور بصیرت افروز ضرور ہیں -
یہ کتاب چار مقالات پر منقسم ہے:-

مقالہ اول در حقایق، مقالہ دوم در احادیث و کلمات مشائخ، مقالات سوم در محبت، مقالہ چہارم در ذکر شعرا -

مقالہ اول میں انچاس حکایات ہیں۔ کچھ تو رسول اللہ صلعم کے اقوال ہیں اور کچھ اولیاء اللہ کے فرمودات ہیں۔ حکایات کے بعض حقایق و نکات کا اندازہ لگانے کے لیے ہم چند ایک یہاں نقل کرتے ہیں:

۱۔ بادشاہ نے درویش سے کہا: بارگاہِ خداوندی میں مجھے یاد کرنا۔ درویش نے کہا: وہاں تو میں اپنے آپ کو بھول جاتا ہوں کسی کو کیا کروں۔

۲۔ درویش نے کہا: اگر مل جاتا ہے تو شکر کرتے ہیں۔ نہیں ملتا تو صبر۔ پیر بسطام نے فرمایا: درویش کو چاہیے کہ مل جائے تو صبر کرے، نہ ملے تو شکر، یعنی مل جائے تو خدا کی راہ میں دے اور شور برپا کرنے والے نفس کو صبر دے۔ اگر نہ ملے تو شکر کرے، تاکہ نہ کتا دیکھے اور نہ بھونکے۔

۳۔ حاتم طائی نے سخاوت کرنے کے لیے چار دروازے کھول رکھے تھے، ایک شخص ہر دروازے پر گیا، لیکن اس نے اسے خالی نہ بھیجا اور نہ رنجیدہ ہوا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ یہ سخاوت سہل ہے۔ سخاوت یہ ہے کہ ایک ہی دروازے پر اتنا دے کہ دوسرے دروازے پر جانے کی حاجت نہ ہو۔

۴۔ خواجہ خسروؒ بلخ کے رہنے والے تھے۔ جوانی کے وقت سعدیؒ کے ہمنشین رہے۔

۵۔ خسرو خان نے جامی کے بعد ملا ہنائی کو ملک الشعرا بنایا۔

خواتین میں بی بی ہدیہ، نہالی، رنڈی سلیمی بیگم سلطان مخفی اور بنفشہ نئی شاعرات ہیں جن کا تعارف کرایا گیا ہے لیکن تذکرہ شعراء خواتین یعنی جواہر العجائب مؤلفہ حبیب فخری میں ان کا ذکر نہیں۔

کتاب کے آخر میں رسم الخط کے بارے میں لکھا ہے کہ ابن مقلہ نے خطِ کوفی کو متغیر کر کے نسخ وضع کیا۔ اس لیے اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ یہ قصہ بیان کر کے لکھا ہے کہ حضرت حسنؓ و حسینؓ نے معاویہ سے خط کی تعلیم حاصل کی۔ ایک مرتبہ دونوں نے خط لکھ کر حضرت معاویہؓ کے سامنے پیش کیا، اور دریافت کیا کہ کس کا خط اچھا ہے۔ معاویہ نے کہا۔ دونوں کا اچھا ہے۔ حضرت حسینؓ نے قطعی رائے لینے کے لیے خط پہلے حضرت علیؓ پھر حضرت رسول اکرمؐ کے پاس پیش کیے۔ انھوں نے کہا: دونوں اچھے ہیں۔ اتنے میں حضرت جبرئیل آئے اور انھوں نے مبارک باد دے کر یاقوت اور زمرد پیش کیے اور کہا کہ آپ کے فرزندں نے خوشنویسی میں اعلیٰ طرز حاصل کی ہے۔ حضرت رسالتؐ پناہ نے سجدہ کیا اور فرمایا کہ یاقوت و زمرد میرے کام کے نہیں۔ اے پروردگار! ان کے صدقے میں میری امت کے گنہگاروں کو بخش دے۔ یہ قصہ صریحاً جعلی ہے۔

۴- ایک نوجوان نے کہا، مَیں شادی نہیں کرسکتا۔ کیسے تو اپنے آپ کو خصی کروں۔ رسولِ خدا نے فرمایا۔ بہادری یہ ہے کہ اپنے آپ کو مجرد بھی رکھے اور یادِ الٰہی سے غافل نہ ہو۔

اکثر حکایات کے آخر یا بیان کے دَوران میں مؤلف نے اپنے اشعار نقل کیے ہیں جن سے بیان کو تقویت ہوتی ہے اور دلچسپی بڑھتی ہے۔ اکثر حکایات کے ماخذ تذکرۃ الاولیا اور نفحات الانس ہیں۔ رابعہ، حسن بصری، بایزید بسطامی، منصور حلاج، جنید، شبلی، نجم الدین رازی، سنائی وغیرہ کے متعلق حکایات انہی کتابوں سے لی گئی ہیں۔

بعض بیانات احتیاط سے قبول کرنے کے لائق ہیں، وہ قابلِ اعتبار نہیں۔ مثلاً،

۱- ایک شخص نے آنحضرتؐ سے کہا کہ مَیں نے روزہ کھا لیا ہے۔ کیا کروں۔ حضورؐ نے فرمایا، کفارہ میں ساٹھ روزے رکھو۔ یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ ایک روزے کا کفارہ ساٹھ روزے نہیں ہوتے (حکایت ۴)

۲- آنحضرتؐ اشعار سُن کر وجد میں آگئے۔ رقص کرنے اور چکر کھانے لگے۔ تمام یاروں نے متابعت کی۔ معاویہؓ نے نہ کی اور کہا: آپ کا یہ کھیل کیسا عجیب تھا۔ یہ حکایت یقیناً جعلی ہے۔ (حکایت ۶)

۳- حضرت عمرؓ نے تین مرتبہ اعلیٰ کھانوں کی دعوت دی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اگر مجھے ایسے کھانوں کی عادت پڑ گئی تو پھر ان کی شفاعت کون کرے گا جو اس قسم کے کھانوں کے عادی ہیں (حکایت ۹)

۴- بایزید بسطامیؒ چودہ سال تک امام جعفر صادقؒ کی خدمت میں رہے۔ یہ صحیح نہیں۔ بایزیدؒ نے ۲۶۱ھ میں وفات پائی۔ جعفر صادق خلیفہ منصور عباسی کے عہد میں ہوئے جس کا زمانہ (۱۳۶ سے ۱۵۷ھ تک ہے)۔ (حکایت ۱۹)

۵- شیخ سعدیؒ، شیخ عطارؒ کی ملاقات کو گئے۔ انھوں نے ملاقات سے انکار کر دیا۔ کیوں کہ سعدیؒ نے ایک دنیادار کا قصیدہ لکھا تھا، وہ چھ مہینے وہیں رہے۔ آخر میں وہ صرف عطار کی آستین پر بوسہ دے سکے۔ بعد میں انھوں نے وہ حصہ پھاڑ ڈالا۔ (حکایت ۲۱)

مقالہ دوم میں نبی اکرم کی پانچ احادیث۔ حضرت علی کے سات ارشادات اور اولیاء اللہ کے اقوال و اشعار مندرج ہیں اور سب تکوینِ سیرت کے لیے مفید ہیں۔

مقالہ سوم میں عشقِ مجازی کے متعلق اکتیس حکایات ہیں۔ ان میں سے پانچ چھ مؤلف کی اپنی زندگی سے متعلق ہیں۔ انھوں نے جامیؒ، جنیدؒ، خسروؒ حسنؒ، حافظؒ، عراقیؒ اور کرمانیؒ کے متعلق وہ حکایات اور

واقعات بیان کیے ہیں جو انھیں نوجوانوں سے عشق آزمائی میں پیش آئے۔

مقالہ چہارم میں تئیس مرد اور سات خواتین شعرا کا مختصر ذکر ہے۔ مشہور عالم شعرا کے علاوہ، ملا نیازی بخاری، میر ہاشمی، ملا ہلالی، سیفی، آصفی، ہنائی، بساطی، سیمی، کاہی اور کاتبی نیشاپوری جیسے کم معروف شعرا کا بھی ذکر ہے۔ ہر شاعر کے متعلق چند تعارفی اور تعریفی جملوں کے بعد اشعار نقل کیے ہیں۔ متذکرہ صدر شعرا میں سے بساطی، سیمی، ہاشمی کے علاوہ باقی سب کی بہت تعریف کی ہے۔

اس مختصر تذکرہ میں مؤلف چند غلط باتیں بھی لکھ گئے ہیں۔ مثلاً :

۱۔ رودکی وہ ہے جس نے پہلے پہل فارسی زبان میں شعر کہا۔

۲۔ فردوسی نے شاہنامہ محمود غزنوی کے حکم سے لکھا۔

۳۔ نظامی کا دیوان مسجع و مرصع ہے۔

دیوانِ غربتی

شاہ ابوالمعالی شاعر بھی تھے۔ وہ غربتی تخلص کرتے تھے۔ لقب بھی یہی تھا۔

پیر نامم ابوالمعالی کرد غربتی مسلمی بود نقبم

انھوں نے غربتی نام رکھنے کی ایک وجہ یوں بیان کی ہے :

ازاں شد غربتی نام من سرگشتہ و حیران
کہ ہر ساعت بسیر ملکِ عشقش غربتی دارم

ان کا دیوان پنجاب یونیورسٹی لائبریری، مجموعہ آذر میں ہے۔ ۱۱۱ ورق میں۔ ۹۶ الف تک غزلیات ۹۷ سے ۱۰۰ تک قطعات و رباعیات، ۱۰۱ سے ۱۰۵ تک معمیات / ۱۰۵ سے ۱۰۸ تک مطالع۔ شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کی مدح میں دو قصاید اور آخر میں قصیدہ مفرح الاتراح ہے جس کے متعلق تحفۂ القادریہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص مغرب اور عشا کے درمیان عراق کی طرف منہ کر کے پڑھے یا اگر پڑھنا نہ جانتا ہو تو لکھا ہوا ہاتھ میں لے کر کھڑا رہے، تو رحمتِ الٰہی کے آثار نمایاں ہوں گے۔

غزلیات عموماً چھوٹی بحروں میں ہیں۔ سہل و سادہ، سوزِ عشق سے مالا مال، مجازی بھی اور حقیقی بھی۔ لیکن وہ فنی نقطۂ نظر سے اپنے اشعار کو وقعت نہیں دیتے۔ مثلاً کہتے ہیں:

دیوانِ غربتی ہمہ سوز است و عاشقی دیوانہ ایست در پی تزئین نمی شود

مگو از شعر قصد غربتی اظہار فضل آمد ۔۔۔ تو از من این سخن را جان من نشنیدہ ای گاہی
غربتی بگذر ز تشبیہ و مجاز و قرض شعر ۔۔۔ ترک من خوش میکند اشعار سہل و سادہ را

می کنم اشعار از اسرار حق!
بے ردیف و قافیہ اشعار ماست

ابو المعالی اس بات کے قائل ہیں کہ عشق کے بغیر انسان کامل نہیں ہوتا ۔ عشق نہ ہو تو کلام میں سوز و اخلاص کہاں ۔ اقبال نے سوزِ عاشقی کا دوسرا نام خونِ جگر رکھا ہے ۔ انھیں کا قول ہے : ع

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر

غربتی لکھتے ہیں :

غربتی سان ہر کہ می سوزد بعشق ۔۔۔ در کلامش سوز و ساز دیگر است
تازگی دارد دگر این بار شعر غربتی ۔۔۔ زانکہ میلش با جوانی تازہ نوخیز بود

انھوں نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ وہ انسان ہی نہیں جسے عشق نہیں :

گر مرا عشق آن پریست چہ باک ۔۔۔ ہر کرا عشق نیست آدم نیست

ابو المعالی اکثر صوفیہ کی طرح عشق مجازی کو عشق حقیقی کا پل سمجھتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں :

میتوانی در حقیقت عشق باخت ۔۔۔ در مجاز این شیوہ گر ورزیدہ ای

اور شاید ان کے پیر کا فرمان بھی ہو :

گر کند ارشاد پیر ما بعشق امردان ۔۔۔ بندۂ مخلص ہوا دارم بجان باشم مرید

ان کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مطمح عشق ایک نوجوان سید محمد تھا ۔ اس کے متعلق لکھا ہے :

دلربا سید محمد کہ بصد زیبائی! ۔۔۔ متشکل شدہ سر تا بقدم نور خداست
سیدزادہ کہ بپاکیزگی و حسن و صفات ۔۔۔ چون نور زیم با دہر کہ خواہرزادہ ماست

ان کے ایک اور محبوب کا نام عبدالرشید تھا :

چون خدا در حسن و خوبی مثل او کم آفرید
از خدا خواہم کہ باشم بندۂ عبدالرشید

ان کے ایک محبوب دہلوی تھے اور دوسرے بلوچی ۔ کیا مزے لے لے کر ان کی تعریف کی ہے :

آں دلبر دہلوی کہ رشکِ حور است | چوں ماہ ز سر تا بقدم پرنور است
گفتم بجمالت برسد ماہ دو ہفت | گفتا ز کجا ہنوز دہلی دور است

نگارِ من چو بلوچیست رُخ چو مہ دارد | بسحر ہائے بلوچی مرا تبہ دارد
بہیچ روز سر خون من نمی گذرد | بلے ز جہل بلوچی خدا نگہدارد

غربتی اپنے نوجوان خوبصورت مرد محبوب کے حسن و جمال کی تعریف تو کرتے ہیں لیکن ان کے حسن کا معیار عصرِ حاضر کے ذوقِ حسن سے کسی قدر مختلف ہے۔ اگر حسین چہرے پر بال اگ آئیں۔ مسیں بھیگ جائیں یا خط بڑھ آئے تو گویا چہرے کا حسن داغ دار ہو جاتا ہے لیکن ان کے ہاں گویا کشش و دلبستگی کا سامان فراواں ہو جاتا ہے۔ وہ نئی نئی اور بعض شگفتہ تشابیہ سے اس کی موجودگی کا لطف اٹھاتے ہیں۔ مثلاً مندرجہ ذیل اشعار دیکھیے:

خط سبزش کنار سرخی لب | ہمچو قوسِ قزح نمود عجب

بے خط سبز و رُخ رنگین او مارا چہ سود!
گرچہ ہر سو سبزہ رست و گلستان بر شگفت

کشیدی خط شدم دیوانہ آری | جنوں سر می زند فصلِ بہار است
خط مشکیں تو گرد لبت ای تبیرۂ جان | گو بیا گرد شکر آمدہ جمعی مور است
خطا کہ بر گرد رُخ یار نمایاں شدہ است | چہ تواں گفت عجب فتنہ دوراں شدہ است
بانخط برخ خوب تو نمایاں زچہ رو ست | مور را سلطنت ملک سلیمان زچہ روست

خطی سیاہ چو بر آوردہ لعل میگون را | ببادہ ریخت مگر قطرہ ہائے افیون را

یہ تو یقینی ہے کہ ان کا عشق پاک تھا۔ اس بات کی تصدیق بھی انھوں نے خود کر دی ہے:

چوں با تو ماہ عشق من پاک است | از رقیباں او چہ باک مرا

مگر غربتی کا محبوب صرف امرد ہی نہیں تھا بلکہ ان کی محبوبہ عورت بھی تھی جیسا کہ مندرجہ ذیل اشعار

سے واضح ہے :

شلوار سرخ و مقنعہ زرد و آن نگار ساقی بہار ماست بیا جام می بیار

روے گلرنگ تو خود راحت و آرام دلست گر کنی زیب بگلگونہ زہی نور بنور

قشقہ سرخ اے بت ہندی بر جبین تو برگ گلنار است

انھوں نے محض تکلفاً عشقِ بتاں کا ذکر نہیں کیا بلکہ ان کی بات میں اخلاص جھلکتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پر عشقیہ واردات گزری ہیں اور وہ عشق کے مادی لذائذ سے بہرہ ور ہونے کو نعمت عظمیٰ خیال کرتے ہیں۔ مثال کے لیے یہ دو شعر ملاحظہ کیجیے :

چوں سکندر پی آب خضر آوارہ مشو گر بکام تو ز نوشابہ لبان نوشا بست

نیست چنداں غم و اندیشہ ز شور فلکی لب شیرین ببستم گر نہ کند بے نمکی

انھوں نے محبوب کے ساتھ راز و نیاز، بات چیت اور نوک جھونک کو بھی پیارے انداز سے نظم کیا ہے۔ مثلاً :

غربتی دوش بسرش قصہ سلمیٰ میگفت گفت : موجودِ غنیمت شمر افسانہ مگو

غربتی دوش بسرش نام بتے می گفتم تند شد۔ گفت بر عشقِ دگر ورز باد

آمد آنکہ چوں دمی از من توقف دید و گفت قدر دولت آن زمان دانی کہ دولت میرود

آمدی پیش دیدہ وقتِ نماز چیست فرما نماز بگذاریم !

چو گفتم اے پسر رحمی بمن گفت برو با با کہ ایں ہا کارِ من نیست

بعض اشعار سے ظاہر ہے کہ غربتی بھی نظیری کی طرح تمثیل سے کام لیتے ہیں۔ پہلے مصرع میں ایک بات بیان کرتے ہیں۔ دوسرے مصرع میں اس قول کی تائید و توثیق کے لیے منطقی استدلال کے طور پر ایک مثال بیان کرتے ہیں مثلاً :

سخن عشق بدل در نہہ و لب را مکشا سر آن شیشہ فرو بند کہ بادی نخورد

غربتی زلف تو بگرفت بیا شنفت رقیب کہ شب قدر نیاید ز سگان آوازی

از سخنہاے ما چہ میر نجی سخن مست معتبر نہ بود

دل و جانم برآں چاہ ذقن ہر دم ہوادار است

برائے خاطر یاراں تواں افتاد در چاہے

غربتی صوفی منش تھے۔ خوب ریاضتیں کیں۔ سفر کیے، اہل اللہ کے ساتھ زندگی بسر کی، درویشانہ دن گذارے، تکلف چھوڑا، غیر اللہ سے منہ موڑا، روحانی مراتب حاصل کیے، قاب قوسین تک پہنچنے کی تمنا کی، منصور کی طرح انا الحق پکارنے کا دم خم ظاہر کیا، وہ عشق الٰہی میں کشف و کرامت کے اظہار کو وقعت نہیں دیتے۔ وہ سوز دروں کو ہی اصل مدعا سمجھتے تھے۔ انھوں نے اپنے آپ کو نہنگ قلزم توحید لکھا ہے۔ ان کو اپنے مرشد شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ سے والہانہ عشق تھا۔ ان کو بعض موقعوں پر اس طرح مخاطب کیا ہے جیسے خدا کو پکارتے ہیں۔ ان کے دیوان میں تصوّف و سلوک اور جذب و معرفت کے مضامین جا بجا ملتے ہیں۔ نمونہ کے طور چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

تا رسی بر سر الا اللہ خوش — غیر برہم زن بہ تیغ لا الہ

قاب قوسین ارچہ آمد منزلم — غربتی برباب اَو ادنیٰ برآ

ملک و ملک بیک ہو زدہ ناچیز کنیم — ماکہ در قلزم توحید نہنگ آمدہ ایم

دیدہ ام دیدہ است بیچون را بچون — خلق می گوید بگو چون دیدہ ای

غربتی بانگ انا الحق زن واز دار مترس — زانکہ معراج درین رہ رسن دار بود

بعض غزلیات میں خدا کو یا مرشد کو محبوب قرار دے کر مجازی اصطلاحات میں مضامین پیدا کیے ہیں لیکن اکثر پر حقیقت کا ہی گمان ہوتا ہے۔ غزلیں عموماً پانچ پانچ چھ چھ اشعار پر مشتمل ہیں۔ بیان واضح اور صریح ہے اور تخاطب کا انداز لیے ہوئے ہے۔ ان کی چند ایک نمائندہ غزلیں یہاں درج کیے دیتے ہیں تاکہ زبان و بیان کا اندازہ ہو سکے۔

دلم از آتش رخسار بتان میسوزد — اللہ اللہ چہ توان کرد کہ جان میسوزد

دل و جان سوخت چو پروانہ بشمع رخ تو — گر کشم آہ از این حال زبان میسوزد

ز آتش لعل تو جان و دل ما سوخت اگر — آتش اینست بیکذرہ جہان میسوزد

شمع می سوخت کہ یعنی برخت مانندم — ہمہ گفتند کہ نادان بگمان میسوزد

شاہِ غزنین چہ عجب گر نگران دگر است | کہ دل و دیدہ ایازش طرف لاہور است
گر باین دولت و خوبی سوی ما کم نگری | گدای از تو نداریم کہ دولت کو راست
نیست در زاہد مسکین ہوس سبز خطان | سبزۂ ای کم رو بدآنجا کہ زمین شور است
غزنوی صومعہ بگذار و سوئے میکدہ آ | زاہد ماست کہ او زندہ کنون گور است

عاشقاں را چہ برگ و ساز بود | مایۂ عاشقی نیاز بود
صبح بکشود چشم مست از خواب | در رحمت بصبح باز بود
ہر کہ دید آں دو چشم و گیسو گفت | رسن ظالمان دراز بود
غزنوی اوست عاقبت بود محمود | کہ بجان بندۂ ایاز بود

تہذیب و تمدّن اسلامی

از

رشید اختر ندوی

انسانی تہذیب و تمدن کی راہ میں اسلام نے نہایت اہم حصّہ لیا ہے اور یہ کتاب اسلامی تہذیب کے عروج و ارتقار کی ایک جامع تاریخ ہے ۔

قیمت :	حصّہ اول	۶ روپے
"	حصّہ دوم	۵۰/۷ "
"	حصہ سوم	۷ "

ملنے کا پتہ : سکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ لاہور